نہج البلاغہ

جدید ادب کے منظر نامہ میں

مولانا سید حسن عباس فطرت

علم وادب مہذب ومتمدن معاشرہ کا عطیہ اور بافہم وشعور عوام کی پونجی ہے۔ حالات، واقعات اور ماحول زمانہ ہی اس میں انقلاب وتبدیلی لاتے ہیں ۔ ادب کو ناپنے پر کھنے کی کسوٹیاں اور پیمانے بھی بنائے جاتے ہیں۔ جو بلاخلل ٹوٹتے و جڑتے اور سمٹتے و پھیلتے رہتے ہیں ۔ اسی طرح ادب میں نت نئی تبدیلیوں کا بازار گرم رہا کرتا ہے اور مذاق عامہ کے تحت یہ کاروبار چلتا ہی رہتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ ایک عہد کا مقبول وعمدہ وقابل قدر ادب آنے والے زمانے اور بعد کے دور میں کمتر، غیر معیاری ناپسندیدہ بلکہ کبھی کبھی ہیچ وپوچ مانا جاتا ہے تو کبھی کبھی ماضی کا ناقابل اعتبار، ازکار رفتہ ذخیرہ علم و ادب گرانقدر وقیمتی بن جاتا ہے۔ ہر زبان وادب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں ۔ ایک زمانے میں اساطیری، دیو مالائی اور مافوق الفطرت ادب مشرق سے مغرب تک راج کر رہا تھا۔ مگر آج اس کا کیا حال ہے۔ کسی بوڑھے، کمزور شہر کی طرح وہ ایک گوشہ میں پڑا زندگی کے باقی دن کاٹ رہا ہے۔ اس کا ذکر صرف بحث ومذاکرہ میں آجائے تو یہی غنیمت ہے ۔ ورنہ عام طور سے ہر کسی کا خیال بھی جلد ادھر نہیں جاتا۔ عجائبات ومافوق الفطرت موضوعات سے عوام کی دلچسپی ختم ہوئی تو اس کی جگہ رومانیت وسرّیت نے لے لی اور مدتوں اپنا سکہ چلاتی رہی۔ لیکن پتہ نہیں کب اور کیسے وہ دور بھی تمام ہوا اور صرف غبار چھوڑ گیا۔ ہاں اس کی جگہ جس ادب نے لے لی وہ حقیقت پسندی، واقعیت نگاری، عصری حیثیت اور روزمرہ کے عوامل کا جاذب اسلوب میں اظہار تھا۔ چنانچہ آج ادب کا منصب مسلمہ طور پر یہی ہے ۔ اس کے نتیجے میں جسے اب تک اعلیٰ اور ارفع مقام دیا جاتا تھا وہ

دوسرے، تیسرے درجہ کا ادب بن گیا اور جسے کبھی ناکارہ وناقابل توجہ مانا جاتا تھا اسے سر آنکھوں پر جگہ دی جارہی ہے۔ اردو میں اسکی ایک مثال نظیر اکبرآبادی کی کلیات اور اودھی میں ملک محمد جائسی کی پدماوت ہے۔ لیکن بعض ادب پارے ایسے ہوتے ہیں جن کا بول بالا ہر زمانے میں رہتا ہے جس میں زوال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جیسے حافظ وسعدی کا کلام ہے۔ اور کتاب نہج البلاغہ کو ایسے ادب کی فہرست میں پہلا نمبر دیا جاسکتا ہے۔

جدید ادب کی دنیا بدلی ہوئی ہے۔ یہاں حقیقت نگاری اور سماجی شعور کو اونچا مقام حاصل ہے۔ اب تخیل کی پرواز پر ثریا کا محو حیرت ہوجانا اور روح القدس کا ہم زبان ہوجانا خوبی وبلندی کا معیار نہیں رہا۔ بلکہ اس میں جتنی زیادہ سچی باتیں ہوں نیز سامنے کے مسائل اور رنگا رنگ دنیا کے باریک مسائل کا جتنا زیادہ ذکر ہو اسے اتنا ہی عظیم ادب مانا جاتا ہے۔ موضوع ومواد دونوں ہماری ہی چلتی پھرتی زندگی پر محیط ہوں۔ ایسا کہ اس سے مجملاً سبھی آشنا ہوں بلکہ اسے بھگت چکے ہوں۔ اسی طرح ادب جدید کا طرہ امتیاز عصری حسیت کا انعکاس اور ادب کا داخلی وخارجی معاملات کا آئینہ دار ہونا ہے۔ ادب جدید داخلی وخارجی ہر زیر وبم کو اپنے اندر سمو کر اظہار کے نئے طریقے نکالتا ہے۔ اس طرح کہ اس عہد کے مزاج وروایت کو صحیح طور پر ادب ہی کے حوالہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہر نئے ادب کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نئے اور موجودہ معیاروں کی کسوٹی پر کھرا اترے اور اس معیار پر جب ہم نہج البلاغہ کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مابعد الطبیعات کے باریک مسائل کا چشمہ جاری اور اخلاقیات کا گہرا سمندر ہی نہیں بلکہ ایک عظیم کشمکش مسلسل کی بھرپور داستان ہے جو اس عہد میں اہل جبر واہل شر کے درمیان جاری تھی۔ درحقیقت نہج البلاغہ ایک عظیم اخلاقی رزقیہ ہے جو دنیا طلبوں اور انصاف پسندوں کے درمیان ازل سے جاری ہے۔ اس میں ہماری ملاقات ایسے افراد اور ایسے گروہ سے ہوتی ہے جن کی رگ رگ میں نفاق نے جگہ بنالی ہے۔ آج کے زمانے میں ہم جس دو چہرگی ومنافقت سے ٹکرا کر سخت رنج والم سے دوچار ہوئے ہیں۔ نہج البلاغہ کا

مطالعہ اس کا مرھم ومداوا بنتا ہے اور اس میں عہد حاضر کے مکدر ماحول کی چلتی پھرتی تصویریں بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔

نہج البلاغہ کے عہد کی نثر کا سراغ لگانے پر پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں شاعری زیادہ تھی۔ مقرر وخطیب تھے جو منطقی مسجع فکر سے عاری چھوٹے چھوٹے جملے وکہاوتیں بیان کرتے تھے۔ یعنی شعر میں جو فنی روشنی تھی نثر کا دامن اس سے خالی تھا۔ اس اعتبار سے نہج البلاغہ کو ہم عربی ادب میں درجہ اول کی نثر کا پہلا مجموعہ کہہ سکتے ہیں۔ جس کی تقلید ہر عہد میں کی گئی۔ اور اس کی عبارت، تراکیب، الفاظ کا در وبست۔ معنویت کل کی طرح آج بھی پر کشش وقابل تقلید بنی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کے بعد آنے والی نسلوں کے سامنے نثر کا نمونہ صرف نہج البلاغہ تھا۔ چنانچہ اسکی قدر وحفاظت سینوں میں کی گئی۔ ورنہ چوتھی صدی ہجری تک اس کے آثار بھی نہ ملتے اور سید رضی شریف کے لئے اس کی تدوین۔ ترتیب لوھے کے چنے چبانے سے زیادہ سخت کام بن جاتی۔

جدید ادب میں اسلوب کو بھی اہم حیثیت حاصل ہے اور ادیب کے لئے اپنی پہچان بنانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یعنی ادب پارہ خود ادیب کا پتہ دیدے۔ سچ کہا جائے تو نہج البلاغہ میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی مرتب حضرت اپنی بات کہتے ہیں یا کسی دوسرے کا قول نقل کرتے ہیں قاری دونوں کے فرق کا پوری طرح احساس کرسکتا ہے۔ پیکر تراشی۔ امیجری نے بھی نئے ادب میں اونچا مقام حاصل کیا ہے۔ نہج البلاغہ میں یہ خوبی جس اعلیٰ درجہ پر ہے اس تک رسائی مشکل ہے۔ صرف اسے نمونہ ونشانہ بنایا جاسکتا ہے بقول جارج جرداق ''جب تک زمانے میں انسان کا وجود باقی ہے اور فکروخیال اور انسانی جذبات موجود ہیں اس کتاب کی جاذبیت باقی رہے گی۔'' امیر المومنین حضرت علی کے ایک صحابی ہمام نے، جو بڑے عبادت گذار تھے، ایک بار عرض کیا کہ یا امیر المومنین! متقین کی تعریف اس طرح فرمائیں کے آنکھوں میں تصویر اُبھر جائے۔ حضرت کو بظاہر یہ بات گراں محسوس ہوئی اور

رکے پھر ایسا خطبہ دیا کہ تقریر کے ختم ہونے سے پہلے ہمام بے ہوش ہوگئے اور عالم بے ہوشی میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ تب امیر المومنین نے فرمایا آگاہ ہوجاؤ۔ خدا کی قسم میں اسی بات سے ڈر رہا تھا۔ یہ نہج البلاغہ کا ۱۸۴ واں خطبہ ہے۔

اس سے بڑھ کر خطبہ اشباح کی مثال ہے جہاں آپ سے ایک شخص نے فرمائش کی کہ اپنے خدا کا ایسا تعارف کرائیں کہ ہم اس کا مشاہدہ عینی کرلیں۔ چنانچہ پورا خطبہ خدا شناسی، معرفت لامکان وجسم و جسمانیت سے منزہ ذات کی نقشہ کشی وخاکہ نگاری کا ایسا مرقع ہے جس کی مثال معدوم اور جس کا تصور لامقدور ہے۔

یاد رہے کہ نہج البلاغہ اس کا کلام ہے جس نے اپنے بارے میں خود کہا تھا کہ ''انا قرآن ناطق'' لیکن ایسا نہیں کہ یہ کلام قرآن کی تشریح وتفسیر ہو۔ نہیں ایسا بالکل نہیں۔ کلام خالق سے یہ کلام بالکل جدا ہے البتہ موضوعات ومطالب میں کہیں کہیں نہیں بلکہ اکثر ہم رنگی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس کے بعد بھی دونوں میں بعد المشرقین ہے کیونکہ یہاں ایک انسان بحیثیت انسان اپنے اردگرد کے انسانوں سے مخاطب ہے۔ ان کے دکھ درد کا ساتھی ہے۔ غم بانٹنے والا۔ خوشی میں شریک، نفع نقصان میں شامل ہے۔ وہ اپنے تجربات وعلم ودانش سے ناکام زندگی کے اسباب وکامیاب زندگی کے گُر تعلیم کرتا ہے۔ دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ زندگی کی تلخیوں، دنیا واہل دنیا کی بے وفائیوں کو بیان کرتا ہے۔ کہیں فلسفیانہ انداز ہے۔ کہیں واعظانہ۔ کہیں سادگی ہے تو کہیں مرقع نگاری مگر انداز جدا جدا ہے۔ اگر زبان ملامت کھولی ہے تو پھر آندھیوں اور طوفانوں میں اس کے تحمل کی تاب نہیں، اگر رجز وتوبیخ میں لب کشائی کی ہے تو گویا ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ مجرمین کے سروں پر چنگاریوں اور بجلیوں کی بارش کررہا ہے۔ اگر منطقی استدلال پر توجہ کی تو ہوش وخرد کو مسخر کرلیا اور سوائے اپنی قائم کی ہوئی حجت وبرہان کے ہر دلیل کا دروازہ بند کردیا۔ جب نصیحت کرتا ہے تو پدرانہ شفقت کے ساتھ اور جب شکایت زمانہ کرتا ہے تو اپنے مطلب ومفہوم کو دلوں پر نور

ماہتاب سے لکھ دیتا ہے۔

آخر کلام میں یہ کہنا ہے کہ جدید ادب کی ایک صنعت کو ارضیت کا نام دیا گیا ہے جو سرّیت کے متضاد ہے۔ مگر اصطلاح میں اس کا نام بلاغت پہلے سے ہے۔ جس طرح امیجری کو محاکات کہا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ میں یہ صنعت بدرجہ اولیٰ موجود ہے۔ اس کی مثال مور چیونٹی، چمگادڑ۔ ٹڈی مکڑی کی بے مثال صورت گری ونقشہ کشی ہے۔ جو ہماری زندگی وروز مرہ میں معمولی وقابل نظر انداز ہی سمجھی جاتی ہیں۔ مگر نہج البلاغہ میں انہیں کمترین مخلوقات کو پہچنوایا گیا ہے اور توحید کا درس دیا گیا ہے۔ الغرض جس طرح نہج البلاغہ کو مشرقی دنیا کے علمی آثار میں اولیت قدیم زمانے میں حاصل رہی ہے۔ آج بھی اس کی رعنائی برقرار ہے۔ اس کی تدریس جاری ہے۔ اس کی شرحیں لکھی جارہی ہیں۔ اس کی طباعت کا بھی ریکارڈ ہے۔ جدید ادب میں مقبولیت وکثرت مطالعہ بھی کسی کتاب کے اہم ہونے کی نشانی مانی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نہج البلاغہ مقام بلند کی حامل ہے۔

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ نہج البلاغہ کی عبارت میں سلاست وتازگی جس قدر کل تھی اتنی ہی آج بھی ہے اور کوئی لفظ نہ کہنہ ہوا نہ متروک۔ اسی لئے یہ کہنا بجا ہے کہ جس طرح قرآن مجید کتب سماوی کا سرتاج ہے۔ نہج البلاغہ کتب ارضی کی معراج۔ یہ زمان ومکان سے بے نیاز ہے۔ چودہ سو برس پہلے کی تصنیف ضرور ہے مگر ہر جدت کی رہنما اور جدید سے جدید ادب کی ہمنوا وہم فکر ہے۔

❀❀❀❀